(۱۸)

اپنی مدد آپ کرو

(فرمودہ ۵۔ جولائی ۱۹۲۹ء بمقام سرینگر۔ کشمیر)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

قرآن مجید میں ہماری تمام ترقیوں اور کامیابیوں کے گُر بتائے گئے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے نہایت اختصار کے ساتھ اور اجمالی رنگ میں تمام حاجتوں کے حل کرنے کے گُر بتا دیئے ہیں اور ایسی دعا سکھائی ہے جس سے مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔

بہت سے لوگ دنیا میں تعاون کے غلط مفہوم کی وجہ سے دھوکا کھاتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسان کو ایک دوسرے کی مدد کے لئے پیدا کیا گیا ہے جانوروں کی طرح نہیں۔ انسان آپس میں تقسیمِ عمل کرتے ہیں جانوروں میں یہ نہیں ہوگا۔ مثلاً ایک شیر اپنی ضرورتیں خود پوری کرے گا اور وہ اپنے کھانے کے شکار کے لئے دوسرے شیر کا محتاج نہ ہوگا۔ مگر انسان کوئی بھی ایسا نہیں جس کی ضروریات مختلف لوگوں سے متعلق نہ ہوں۔ انسان تعاون سے ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ اگر ایک انسان جنگل میں چلا جائے اور وہاں اپنا گذارہ جڑی بوٹیوں اور پتوں کے کھانے سے کرے تو کوئی اسے باہوش اور عقلمند نہیں کہے گا بلکہ وہ پاگل کہلائے گا۔ جو خاصیتیں ایک شیر میں کمال کہلاتی ہیں وہ انسان کو ناقص ثابت کرتی ہیں یعنی شیر جس طرح زندگی بسر کرتا ہے اگر اسی طرح انسان بھی کرنے لگے تو وہ ناقص سمجھا جائے گا۔ انسان میں شہریت اور مدنیت کا مادہ پایا جاتا ہے لیکن اسی مدنیت کا غلط اور بے جا استعمال اس کے اندر غلطی پیدا کر دیتا ہے مثلاً عمدہ خوراک زیادہ استعمال کرنا، زیادہ آرام کرنا، زیادہ سونا، زیادہ پینا یہ سب کام اندازہ سے زیادہ کرنے

سے انسان بیمار ہو جائے گا اور اس طرح اس کے لئے مدنیت مُضرّ ہو جاتی ہے۔ یہ امر صحیح ہے کہ انسان تعاون کا محتاج ہوتا ہے لیکن صحیح تعاون کے معنی ہیں اپنی ذمہ داری ادا کر دینا اور دوسرے کو اس کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلانا۔ ایسا شخص جو اپنی ذمہ داری کو خود ادا نہ کرے بلکہ دوسروں کی طرف دیکھے یعنی ایسا مدنی الطبع انسان جو اپنے کاموں کا انحصار دوسروں پر رکھے مشرک ہوتا ہے کیونکہ جو شخص اپنا کام خود نہیں کرتا بلکہ دوسروں پر چھوڑ دیتا ہے وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ خدا کی دی ہوئی طاقتوں سے کام نہیں لیتا۔ ایسا انسان دینی لحاظ سے مشرک کہلائے گا اور دنیوی لحاظ سے اپاہج اور ذلیل۔ ہمارے ملک میں ایک لطیفہ مشہور ہے کہ ایک سپاہی اونٹ پر سوار گذر رہا تھا کہ کچھ فاصلہ پر سڑک کے کنارے دو آدمی لیٹے پڑے تھے انہوں نے جب دیکھا کہ سڑک پر سے کوئی آدمی گذر رہا ہے تو آواز دے کر اسے اپنے پاس بلایا۔ جب سپاہی ان کے پاس گیا تو ایک نے کہا بھائی میری چھاتی پر ایک بیر پڑا ہے اُٹھا کر میرے منہ میں ڈال دینا۔ یہ سن کر سپاہی حیران ہو گیا کہ یہ کونسی بڑی بات تھی جس کے لئے مجھے بلایا گیا اور میرے کام کا حرج کیا۔ اس پر اُسے غصہ آیا اس نے کہا یہ سُست اور بے وقوف انسان ہے کہ چھاتی پر سے بیر اُٹھا کر بھی منہ میں نہیں ڈال سکتا۔ اس نے جو پاس ہی لیٹا تھا سپاہی کو مخاطب کر کے کہا بھائی! ایسے بے وقوف پر ناراض نہ ہو یہ تو ایسا نکما اور سُست ہے کہ ساری رات کُتا میرا منہ چاٹتا رہا ہے مگر اس نے ہُش تک نہیں کی کہ وہ ہٹ جاتا۔ سپاہی یہ سن کر اور بھی حیران ہوا اور انکی سستی کا خیال کر کے ہنسنے لگا۔

یہ مثال ان لوگوں کے متعلق بنائی گئی ہے جو دوسروں پر اتنا بھروسہ کرتے ہیں کہ اپنا معمولی سے معمولی کام بھی خود نہیں کرتے ورنہ ایسا واقعہ حقیقت میں نہ ہوا ہوگا۔ ایسی حالت کا پیدا ہو جانا قومی تنزّل کی علامت ہے۔ سورۃ فاتحہ میں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ[1] میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں سکھائی ہیں اور یہ تینوں باتیں انسانی کمال اور ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ اوّل مدنیت یعنی تعاون، تعاون کا مطلب یہ ہے کہ انسان لوگوں کے فائدہ کے کام کرے اور اس نیت سے نہ کرے کہ لوگ اس کا کریں گے بلکہ دوسروں کے احساسات اور ترقی کا اس کو خیال ہو۔ دوسرے محنت کرنے والا خود عمل کرے اور عمل کے بعد نتائج کی طرف نگاہ ڈالے۔ تیسرے۔ دوسرے انسان پر توکّل نہ کرے۔ غرض خود عمل کرنا، دوسروں پر توکّل نہ کرنا، دوسروں کی بھلائی کے لئے کوشش کرنا اور دوسروں کی مدد پر بھی بھروسہ نہ کرنا، عمل کر کے اپنی ترقی کی راہیں نکالنا، جو اللہ تعالیٰ کے

فیض ہوں انہیں اس طرح مانگنا کہ وہ اپنے لئے ہی نہ ہوں بلکہ ساری دنیا کے لئے ہوں ' ملک پر بھی ہوں ' قوم پر بھی ہوں ' محلّہ والوں پر بھی ہوں اپنے خاندان کے افراد پر بھی ہوں ' بیوی بچوں غرضیکہ ساری دنیا پر ہوں نَسْتَعِیْنُ میں جو استعانت طلب کی گئی ہے وہ مخفی رکھی ہے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا اور دعا کرنا خود ایک کام ہے یعنی پورے طور پر عابد ہونا۔ یہ عام طور پر مشہور ہے ''بندگی بیچارگی''، عمل سے مدد مانگنا اصل مدد مانگنے کا طریق ہے۔ کوئی کسی کو مارے پیٹے اور پھر ساتھ ہی اسے کہے کہ مجھے کچھ دو۔ پھر لوگوں پر نگاہ نہ ہونے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے قانون بنایا ہے اس کے نیک نتائج پیدا کرے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو آ کر لحاف اوڑھایا ہو یا کھانا منہ میں ڈالے بلکہ اس کا قانون مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی امداد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے پیدا کردہ قانون کے ماتحت جو کام ہوتے ہیں ان کے اندر جو باریک در باریک مشکلات ہوتی ہیں ان سے بچانا۔ پس استعانت کے معنی ہیں نیک نتائج کا نکلنا اور کمزوریوں کا دور ہونا۔ پس اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا یہ مطلب ہے کہ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ صرف اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے بھائیوں کے لئے بھی۔ عبودیت سے کام کرتے ہیں تیرے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتے۔ مدد لینا بُری بات نہیں ہے لیکن دوسرے انسان کو مدد دینے کے لئے کہنا بُری بات ہے۔ اگر تم کوئی کام کرنے لگے ہو۔ اور تمہارے محلے کا آدمی آ کر تمہاری مدد کرنے لگے تو یہ بُری بات نہیں۔ بُری بات یہ ہے کہ تم کام کرنے سے پہلے دوسرے کی امداد کی انتظار کرو۔ محلّہ والے کا خود آنا تو اچھی بات ہے لیکن یہ امید رکھنی کہ وہ آئے تو کام کیا جائے تو یہ بے غیرتی ہے پس یہ تینوں باتیں جو انسانی ترقی کے لئے ضروری ہیں ایک جملے میں آ گئیں۔

مسلمانوں کے تنزّل کا سارا باعث یہی ہے کہ انہوں نے ان باتوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ پنجاب' یوپی' سی پی اور یہاں کشمیر کا ہی یہ حال نہیں تمام مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ ہر جگہ کے مسلمانوں کو یہ انتظار ہے کہ کوئی اور آئے اور ان کی مدد کرے۔ حالانکہ ہر روز جو انسان نماز پڑھتا ہے۔ کم از کم چالیس بار روزانہ دن میں سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے اور بار بار یہ اقرار کرتا ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ اکثر لوگ کرتے اس کے خلاف ہیں۔

آج کل جہاں دیکھو اور جس ملک میں جاؤ ہٹے کٹے مشٹنڈے مسلمان سوال کرتے نظر آئیں گے حالانکہ اسلام میں سوال کرنا منع ہے۔ ایک بار نبی کریم ﷺ کے پاس ایک سوالی آیا۔ حضور

نے اسے کچھ دیدیا۔ پھر آیا تب بھی کچھ دیدیا اور پاس بٹھا کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو سوال کرنا پسند نہیں [2] اور اسے دعائیں سکھلائیں اس کے بعد اس نے سوال کرنا چھوڑ دیا اور محنت کر کے کھانے لگا۔ صحابہ میں اس قدر غیرت تھی کہ ایک دفعہ جبکہ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی ایک صحابی کا جو گھوڑے پر سوار تھا کوڑا گر پڑا۔ دوسرے صحابی جو پاس تھے کوڑا اُٹھا کر دینے لگے تو سوار صحابی نے انہیں خدا کی قسم دیکر کہا ایسا نہ کرنا حضرت نبی کریم ﷺ نے سوال کرنے سے سخت منع فرمایا ہے۔ اگرچہ میں نے زبان سے سوال نہیں کیا تاہم خود کوڑا نہ اٹھانا سوال ہی کی شکل ہے۔ میں خود اُٹھاؤں گا [3] اسی طرح حضرت عمرؓ کے وقت آپ نے ایک شخص کو سوال کرتے دیکھا۔ اور اس کی جھولی چھین لی اور اسے چھاتی پر مُکّا مارا اور فرمایا سوال کیوں کرتا ہے جا کر محنت کرو۔ [4]

آج کل مُفلس لوگ تو الگ رہے سب کے سب کسی نہ کسی رنگ میں سوالی ہیں۔ غریب بیچارے تو کچھ پاس نہ ہونے کی وجہ سے سوال کرتے ہیں لیکن امراء جن کے پاس سب کچھ ہوتا ہے حُکّام کے دروازوں کے سامنے بیٹھے خطاب مانگتے ہیں گویا مانگنے کی دونوں کو عادت ہے جیسے روٹی کا ٹکڑا مانگنا ہے ویسا ہی خطاب مانگنا ہے۔

مسلمان خود محنت نہیں کرتے دوسروں پر بھروسہ رکھتے ہیں اور یہی مسلمانوں کی تباہی کی بڑی وجہ ہے۔ وہ اپنے دلوں میں ایک غلط عقیدہ جمائے بیٹھے ہیں اور وہ یہ کہ عیسیٰ آسمان سے آئے گا اور انہیں ساری دنیا کی دولت، مال، اسباب خود گھر بیٹھے بٹھائے دے دے گا یہ ان کی بے ہمّتی اور بے غیرتی کی وجہ سے ہے۔ اب صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے نسبتاً دولت بھی زیادہ ہے۔ تعلیم بھی زیادہ ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے اسباب بھی زیادہ ہیں مگر وہی سُست الوجود والی بات ہے کہ سپاہی اونٹ پر سے اُترے اور چھاتی پر سے بیر اُٹھا کر منہ میں ڈالے یہ خود کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جب بلقان کی جنگ شروع تھی اور میں حج پر گیا تو ایک آدمی ملا جس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ میں اُس سے تلوار لیکر دیکھنے لگا تو اس نے کہا بچنا لگ نہ جائے۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں نے تلوار کبھی دیکھی نہیں۔ میان سے نکال کر میں نے اسے پوچھا اسے کہاں استعمال کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا جب دشمن کا حملہ ہو۔ میں نے کہا دشمن نے تو حملہ کیا ہوا ہے پھر تمہیں کس وقت کی انتظار ہے۔ کہنے لگا ہمیں لڑنے کی کیا ضرورت ہے عیسیٰ جب آسمان سے آئے گا تو لڑائی کرے گا اور

سب ملک فتح ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائیں گے اکثر مسلمانوں کا یہی خیال ہے۔

آج اس بھروسہ کی وجہ سے مسلمانوں کا حال دیکھو کیا ہو گیا۔ ایک وقت تھا جب مسلمان ساری دنیا کے بادشاہ تھے۔ آج انگریزوں کی طاقت بڑی سمجھی جاتی ہے حالانکہ یہ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ اُس وقت دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک مسلمانوں کی حکومت تھی۔ بعد میں جب پھر دو حکومتیں ہو گئیں تو ایک کا صدر مقام بغداد تھا اور دوسری کا سپین۔ مگر آج مسلمانوں نے چونکہ خود کام کرنا چھوڑ دیا ہے اس لئے قوتِ عملیہ جاتی رہی اور وہ ہر لحاظ سے گر گئے۔ ایک دفعہ میں لاہور میں مشن کالج کے پاس سے گزرا۔ اُس وقت میاں محمد شریف صاحب ای۔اے۔سی اور چوہدری فتح محمد صاحب سیال جو آج کل صیغہ دعوت و تبلیغ کے ناظر ہیں میرے ساتھ تھے ایک طالب علم جو انگریزی طرز کا لباس پہنے ہوئے تھا مشن کالج سے نکلا دروازے کے سامنے ذرا سی دیر ٹھہرا اور مشن کالج کی عمارت کو دیکھ کر سر ہلا کر بولا۔ مسیح آئے گا تو سب کچھ ہمارے ہی قبضہ میں آ جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کی ہتک کی اور کہا حضرت عیسیٰؑ آسمانوں پر زندہ موجود ہیں مگر رسول کریم ﷺ زمین میں مدفون ہیں اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے بھی کہا تم نے میرے رسول کی ہتک کی اور اسے نیچے رکھا تم بھی نیچے رہو گے اور عیسیٰؑ کو جس کو تم نے اوپر چڑھایا اس کی قوم یعنی عیسائی تمہارے اوپر رہیں گے۔ ہندو جب حُکّام کو ملنے جاتے ہیں تو وہاں جا کر دوسرے کے لئے سفارش کرتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں کے لئے یہ کرو مگر مسلمان جب جائیں گے اپنے لئے ہی مانگیں گے۔ اس وجہ سے حُکّام کے دلوں میں انکی بے قدری ہو جاتی ہے ہر مسلمان سب کچھ اپنے لئے مخصوص کر لینا چاہتا ہے۔ مگر ہندو چونکہ قوم کی ہمدردی اپنے دل میں رکھتا ہے اور دوسروں کے مفاد کے لئے کوشش کرتا ہے اس لئے حاکم پر اچھا اثر پڑتا ہے اور اسکی طرف زیادہ متوجہ ہو کر اس کا کام کرتا ہے۔ مسلمان کی حتی الوسع یہ کوشش ہو گی کہ دوسرا مسلمان ذلیل ہو مگر ہندو دوسرے ہندو کی ترقی اور بہتری کا خواہاں ہو گا۔

عیسائی قوموں کو دیکھیں۔ ان کے مشنری اپنے ملکوں سے کس قدر دور دراز فاصلہ پر چلے جاتے اور ہسپتال کھولتے ہیں۔ غریبوں اور بیماروں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ ہندوؤں نے بھی عام لوگوں کی خدمت کی کئی سوسائٹیاں بنائی ہوئی ہیں۔ ہر جگہ اور ہر سٹیشن پر سیوا سمتی والے

مسافروں کو پانی پلاتے ہیں۔ مسلمان بھی بے غیرتی سے ان سے مانگ کر پانی پی لیتے ہیں مگر یہ نہیں محسوس کرتے کہ انہیں بھی ایسی خدمت کے کام اپنے ذمہ لینے چاہئیں۔ جو باتیں مسلمانوں نے چھوڑ دی ہیں جب تک وہ دوبارہ ان میں پائی نہ جائیں۔ کبھی اور کسی حال میں ترقی نہیں کر سکتے۔ محنت کی عادت ڈالیں' دوسروں پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں خدمت خلق کو اپنا فرض سمجھیں تب وہ ترقی کر سکتے ہیں۔ کون کہہ سکتا تھا کہ عیسائی اس قدر ترقی کریں گے مگر جب عیسائیوں نے وہ اصول اختیار کر لئے جن کے ذریعے مسلمانوں نے اس قدر ترقی کی تھی تب وہ دنیا کی بڑی اور طاقتور قوموں میں شمار ہونے لگے۔ سپین میں مسلمانوں کی حکومت کا مرکز تھا وہاں دیکھئے مسلمانوں کا نام ونشان نہیں رہا۔ مگر اسلام کی اچھی باتیں آج تک ان عیسائی عورتوں میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً پردہ۔ سپین کی عیسائی عورتیں پردہ کرتی ہیں مگر مسلمان جنہوں نے یہ سب کچھ چھوڑ دیا تھا ان کا نام ونشان نہیں رہا۔ اسلام چونکہ اچھی چیز تھی اِس وقت تک اس ملک میں اسلام کی خوبیوں کا نقش موجود ہے۔ گو مسلمان اپنی غفلت کی وجہ سے مٹا دیئے گئے۔

یہاں کشمیر میں بھی یہی مرض پایا جاتا ہے اس لئے میں نے اپنے خطبے اس طرز کے بیان کرنے شروع کئے ہیں کہ مسلمانوں میں عمل نہ کرنے کی وجہ سے جو پستی ہے اس میں تبدیلی پیدا ہو۔ کیونکہ جب تک مسلمان اپنی مدد آپ نہ کریں گے' محنت نہ کریں گے' دیانتداری سے کام نہ کریں گے' اپنے آپ کو مفید نہ بنائیں گے' مصیبت زدوں کی امداد نہ کریں گے تب تک ترقی نہ ہو گی۔ اگر مسلمان یہاں ایک عام لوگوں کی خدمت کرنے والی سوسائٹی بنالیں' مصیبت زدوں کی امداد کریں' ہندو مسلمان کی تمیز چھوڑ دیں تو سب چھوٹے بڑے' ہندو سکھ' عیسائی ایسا کام کرنے والوں کو عزت کی نظر دیکھنے لگیں گے۔

یہاں کشمیر کا ایک واقعہ مجھے یاد ہے جب میں ۱۹۲۱ء میں یہاں آیا تو اسلام آباد میں ایک گبہ ماپ دیکر بنوانے کا آرڈر دیا جب وہ تیار کر کے لایا تو اصل ناپ سے جو اسے بتایا گیا تھا کچھ کم تھا۔ ہم نے کہا کہ تمہارا تو وعدہ تھا اور قیمت کے ساتھ یہ معاہدہ تھا کہ اتنی رقم تب دی جائے گی جبکہ اس ناپ کا گبہ بنا کر لاؤ گے۔ اس کے جواب میں اس نے کہا جی میں مسلمان ہوں۔ گویا اس

کے نزدیک مسلمان کے لئے بد دیانتی اور وعدہ خلافی کوئی بُری بات نہیں۔

مسلمانوں کو چاہئے خدا تعالیٰ کی امداد کے طالب ہوں۔ دوسروں پر توکّل نہ کریں بلکہ خود عمل کریں اور خدا تعالیٰ کے ماننے والوں میں سے ہوں۔

(الفضل ۱۹۔ جولائی ۱۹۲۹ء)

---

۱ الفاتحة:۵

۲ سنن نسائی کتاب الزکوٰة باب الیدالعلیا

۳ ابن ماجه کتاب الزکوٰة باب کراهیة المسئلة

۴ تاریخ عمر بن الخطاب (عربی) صفحہ ۱۷۰ مطبوعہ مصر ۱۹۳۱ء